Raqse e bismil epi 35

by kcs

نبیلہ عزیز

رقصِ بسمل

رات کے بارہ بجے کا وقت تھا۔

ولید' ناورا کے سامنے والے صوفے پہ گم صم اور ساکت سا بیٹھا ماورا سے سنی ہوئی داستان پر یقین کرنے اور نہ کرنے کے بیچ ڈول رہا تھا۔

کیوں کہ جو کچھ وہ بتا چکی تھی' وہ قابل فراموش تو نہیں تھا۔

رضا حیدر... علی مرتضیٰ کے قاتل تھے... عافیہ بیگم اور ماورا مرتضیٰ کے مجرم تھے اور قاتل اور مقتول کی اولادیں محبت میں گرفتار تھیں۔

معاملہ کہاں سے شروع ہوا تھا اور کہاں پہنچا تھا اور آگے کیا ہونے والا تھا' سب عقل اور سمجھ سے باہر کی باتیں تھیں۔

ولید کی پرسوچ آنکھیں پینپنا رہی تھیں۔

بتاؤ ولید میرا ساتھ دو گے؟ مجھے تیمور حیدر واپس چاہیے... بہرحال میں... "ماورا التجا بھی کر رہی تھی تو ایک ضد' ایک ہٹ دھری کے ساتھ۔

پینتیسویں قسط

اسپتال کی طویل راہداری ــــ میں اشتیاق یزدانی اور آفاق یزدانی بے حد پریشانی اور بدحواسی کے عالم میں ٹہل رہے تھے ــ قریب ہی صوفے پہ ثمینہ یزدانی نڈھال سی پڑی تھیں۔

ان پہ آج صدمے کا پہاڑ ٹوٹا تھا اور وہ ابھی اس پہاڑ جیسے صدمے سے نکل بھی نہیں پائی تھیں کہ فارہ کی طرف سے ملنے والی خبر سے ان کے پاؤں تلے سے زمین کھسک گئی تھی۔



اسی لیے تو وہ اب اٹھ نہیں پا رہی تھیں' ان کی تمام ہمتیں جواب دے گئی تھیں۔

"ایکسکیوزمی سر!" اچانک آئی سی یو کا دروازہ کھول کر ڈاکٹر باہر آئی تھیں۔

"یس۔۔۔؟" آفاق ڈاکٹر کی آواز سنتے ہی ایک دم چوکنا ہو گیا تھا۔

"ایم سوری سر۔۔۔" ان کا بی پی کنٹرول نہیں ہو رہا۔۔۔ مجبوراً" ہمیں آپریشن کرنا پڑے گا۔۔۔ ورنہ بچے کی زندگی کو خطرہ ہے۔" ڈاکٹر نے آفاق سے صاف بات کی تھی اور آفاق نے حیرت سے دیکھا تھا۔

"لیکن ابھی تو سات مہینے کی پریگننسی ہے اور۔۔۔"

"ڈونٹ وری سر! ہمارے پاس ایسے ہزاروں کیس آتے ہیں جن کی ساتویں مہینے ہی ڈلیوری عمل میں آجاتی ہے' دعا کریں کہ بچہ بالکل نارمل' صحت منداور ٹھیک ہو ورنہ کچھ دن اسے نرسری میں رکھا جائے گا۔" ڈاکٹر نے آفاق کی تسلی کروائی تھی اور مجبوراً" اشتیاق یزدانی کے ہمت دلانے پہ اس نے کاغذات پہ دستخط کر دیے تھے اور خود جیسے دھڑکتے دل اور لرزتے جسم کے ساتھ تھک ہار کے ثمینہ یزدانی کے برابر آ بیٹھا تھا۔ آپریشن تھیٹر کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔



"مبارک ہو سر! اللہ نے آپ کو بیٹے سے نوازا ہے۔" آدھے گھنٹے بعد نرس آپریشن تھیٹر سے خوش خبری لے کے نمودار ہوئی تھی اور آفاق کے ساتھ ساتھ باقی سب کے چہروں پہ بھی خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔

"فارہ کیسی ہے؟" آفاق نے تو بچے کے لیے خیر مبارک بھی نہیں کہا تھا' بلکہ سب سے پہلے فارہ کا پوچھا تھا۔

"ان کے بارے میں ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ان کی حالت ابھی خطرے سے خالی نہیں۔ آپ لوگ ان کے لیے دعا کریں۔" نرس ایک طرف ان کو خوش خبری اور دوسری طرف فکر میں مبتلا کرنے کے بعد واپس جانے کے لیے پلٹی اور پھر اچانک رک بھی گئی تھی۔

"اور ہاں۔۔۔ جلد سے جلد بچے کے لیے کپڑے اور اس کی ضروری اشیا ارینج کریں۔۔۔ ضرورت ہے فوراً"۔۔۔"

نرس کہہ کر دوبارہ سے آپریشن تھیٹر کے دروازے کے اندر غائب ہو چکی تھی۔

"اف۔۔۔ اب کیا ہو گا؟" آفاق دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر وہیں صوفے پہ بیٹھ گیا تھا۔

"دیکھیں آفاق بھائی۔۔۔ آپ ٹینشن نہ لیں۔۔۔ فارہ کو کچھ نہیں ہو گا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔۔۔ اوپر والا بہت رحیم و کریم ہے' کسی کے دل سے نکلی دعا رد نہیں کرتا۔ آپ بھی فارہ کے لیے دعا کریں۔ ان شاءاللہ ضرور قبول ہو گی۔" ساشا نے سمجھ داری کا ثبوت دیتے ہوئے آگے بڑھ کے آفاق کو تسلی دینے کی کوشش کی تھی' تاکہ وہ کوئی ذہنی ٹینشن نہ لے۔ ورنہ اسے نقصان بھی ہو سکتا تھا۔

"انکل پلیز۔۔۔ آپ لوگ بھی پریشان نہ ہوں۔ میں احمد کے ساتھ جا کر مارکیٹ سے کچھ لے آتی ہوں۔ بچے کو کپڑوں کی ضرورت ہے۔"

ساشا ان سب کو تسلی دیتی اور ان کی ہمت بندھاتی ہوئی اپنے چھوٹے بھائی احمد کو ساتھ لے کر قریبی مارکیٹ چلی گئی تھی۔



وہ اس کے ماتھے پہ پٹیاں بھگو کر رکھ رہی تھی' جب بے حد آہستہ سے اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تھا۔ پہلی نظر ماورا پہ ہی پڑی تھی' لیکن ذہن اور حواس ٹھکانے پر نہیں تھے۔

اس لیے پہلی نظر کے بعد دوسری اور پھر تیسری نظر بھی اٹھی تھی' لیکن تب بھی وہ یوں ہی بے حس و حرکت اسے دیکھ رہا تھا۔

اور ماورا سے اس کی یہ بے حسی کی کیفیت دیکھی نہیں گئی تھی' اس نے بے اختیار اس کے گال پہ ہاتھ رکھا تھا۔

"تیمور... آپ ٹھیک تو ہیں نا۔" اس نے تیمور کا گال تھپکا تھا۔

اور وہ جیسے غنودگی سے جاگ گیا تھا۔

"تت تم... تم پھر یہاں...؟" وہ حواسوں میں لوٹ چکا تھا۔

"تو میں گئی کہاں تھی۔ میں تو آپ کے پاس ہی ہوں۔ بس آپ ہی مجھے چھوڑ کے بھاگ رہے ہیں۔" ماورا نے بڑے سکون سے جواب دیا تھا۔

"پلیز... چلی جاؤ یہاں سے..." تیمور نے اس کا ہاتھ اپنے ماتھے سے ہٹا دیا تھا۔

"تیمور! ریلیکس... یہ کوئی ہسپتال نہیں کہ آپ یہاں یوں ہی تماشا کری ایٹ کریں... یہ ڈاکٹر شاہ نواز کا گھر ہے... اور یہ ان کی مہربانی ہے کہ وہ بغیر کسی جان پہچان کے بھی اتنی دیکھ بھال کر رہے ہیں۔" ماورا ذرا سختی سے بولی تھی۔

"مجھے کہاں کیا کرنا ہے۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں... تمہیں بتانے کی ضرورت نہیں ہے... تم جا سکتی ہو یہاں سے..." وہ اپنے سابقہ متنفر انداز میں بول رہا تھا۔

"آپ کو کہاں کیا کرنا ہے' یہی تو آپ نہیں جانتے۔" ماورا گہری سانس خارج کرتے ہوئے اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی تھی۔

اور تیمور اسے زہر آلود نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"آپ کو تو خبر ہی نہیں کہ دنیا میں کیا کیا ہو رہا ہے؟" کس کس کو آپ کی ضرورت ہے؟ اور کس کس کی آپ کو ضرورت ہے؟ آپ تو بستر سے لگ کر آزاد ہو گئے۔ کاش ایسی بیمار میں بھی ہو جاتی۔ دنیا سے غافل ٹینشن فری۔"

ماورا گیسٹ روم کی کھڑکی میں کھڑی باہر پھیلی سورج کی کرنوں کو دیکھتی تیمور حیدر کو کسی اور ہی طرح کے نشتر چبھو رہی تھی۔

"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟" تیمور کا لہجہ تیکھا ہو گیا تھا۔

"میرے کہے کو آپ سمجھتے ہی کب ہیں؟" اس نے طنزیہ انداز سے کہتے ہوئے کندھے اچکائے تھے۔

"میرا دماغ خراب مت کرو۔ چلی جاؤ یہاں سے..." تیمور غصہ ضبط کرتے ہوئے دبے لہجے میں بولا تھا۔

اوراس کی یہ بات سن کر ماورا کا اپنا دماغ خراب ہو گیا تھا' وہ تو جیسے پھٹ ہی پڑی تھی۔

"کہاں چلی جاؤں۔ کیسے چلی جاؤں اور کیوں چلی جاؤں؟ میں آپ کی بیوی ہوں۔ آپ کی ملازمہ نہیں کہ آنے جانے کے لیے ڈرتی رہوں۔ میں جب چاہے آؤں گی۔ جب چاہے جاؤں گی۔ میری اپنی مرضی... مجھے آپ کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ دھوکا ہمارے ساتھ ہوا تھا۔ فراڈ ہمارے ساتھ ہوا تھا۔ باپ میرا قتل ہوا تھا۔ ماں میری بدنام ہوئی تھی۔ گھر سے بے گھر ہو کر زندگی ہم نے گزاری۔ غصہ ہم کو ہونا چاہیے تھا۔ ناراض ہم کو ہونا چاہیے تھا۔ لیکن نہیں' الٹا غصہ بھی آپ کو ہے اور ناراض بھی آپ ہی ہیں۔ واہ... عجیب دیدہ دلیری ہے۔ آپ تو رضا حیدر سے بھی چار ہاتھ آگے نکلے۔ میرا سہارا بننے کے بجائے مجھے تنہا چھوڑ دیا۔ بے سائبان کر دیا۔ پلٹ کر

دیکھا تک نہیں۔ پوچھا تک نہیں۔ کہاں گئی محبت... ہونہہ۔ جھوٹی محبت' دو سال محبت کے دعوے کرتے رہے۔ محبت کا دم بھرتے رہے اور جب محبت پہ آزمائش آئی تو ہمت ہی جواب دے گئی۔ کیا اس کو محبت کہتے ہیں؟ کیا یہ ہے محبت؟ ایسی ہوتی ہے محبت؟

نہیں مسٹر تیمور حیدر! محبت تو مجھے ہے۔ آپ سے... رضا حیدر کے بیٹے سے... جبکہ میں جانتی بھی ہوں کہ آپ میرے باپ کے قاتل کی اولاد ہیں۔ پھر بھی آپ سے محبت کر رہی ہوں' مجبور ہوں' خود کو روک نہیں سکتی۔ آپ کے بغیر رہ نہیں سکتی' کیونکہ محبت رہنے ہی نہیں دیتی' محبت ایسی ہی ہوتی ہے' منہ زور' اور من مانی کرنے والی۔ آپ جیسی نہیں ہوتی کہ جب کسی کی اصلیت کا پتا چلے تو محبت ختم ہو جائے۔ مجھے دیکھو' مجھے تو پہلے روز سے آپ کی اصلیت کا پتا تھا' پھر بھی خود کو روک نہیں پائی... کیونکہ میری محبت سچی ہے' مضبوط ہے' بالکل میرے جیسی' رضا حیدر سے نفرت تھی تو اس نفرت پہ آج بھی قائم ہوں۔ آپ سے محبت ہوئی ہے تو مرتے دم تک اسی محبت پہ قائم رہوں گی۔ آپ بے شک مجھے پاؤں کی ٹھوکروں سے پیچھے ہٹائیں۔

ماورا بولنے پہ آئی تو پھر بولتی چلی گئی تھی اور تیمور حیدر ششدر سا بیٹھا سنتا رہ گیا تھا۔

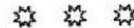
ماورا نے گہری سانس خارج کرتے ہوئے آگے بڑھ کے ٹیبل پہ رکھا اپنا بیگ اٹھا کر کندھے پر ڈالا اور دوبارہ تیمور کی طرف دیکھا۔

"میں اب چلتی ہوں... بی گل اور امی گھر پہ اکیلی ہیں... ان فیکٹ ان کو اب بھی خطرہ ہے۔ کیونکہ آپ کے والد محترم ان کی کڈنیپنگ کے پروگرام اب بھی ترتیب دے رہے ہیں۔ اس لیے مجبوراً میں نے انہیں اپنے گھر شفٹ کر لیا ہے۔ تاکہ زندگی میں مجھے کوئی اور نقصان نہ اٹھانا پڑے۔"

اس نے جانے سے پہلے تیمور کو یہ بتا دینا بھی ضروری سمجھا تھا اور تیمور پہ اک نیا انکشاف ہوا تھا۔ یعنی رضا حیدر اب بھی اپنی حرکتوں سے باز نہیں آ رہے تھے۔

"اور ہاں... سب کی ضرورتوں سے ہٹ کے... سب سے زیادہ آپ کی بہن کو آپ کی ضرورت ہے... جو باپ اور بھائی کے ہوتے ہوئے بھی خود کو غیر محفوظ سمجھتی ہے۔ باقی آپ خود سمجھ دار ہیں' میرے سمجھانے کی ضرورت نہیں' اللہ حافظ..."

وہ جاتے جاتے اک گہری نظر اس پہ ڈال کر گیسٹ روم سے باہر نکل گئی تھی اور تیمور دیکھتا رہ گیا تھا۔



فیصل آباد سے منیزہ رحیم اور ان کی فیملی پہلی فلائٹ سے ہی پہنچ چکی تھی۔

وہ سب فارہ کے لیے بے حد پریشان تھے۔ لیکن اللہ کا کرم تھا کہ فارہ کی جان بچ گئی تھی۔

"ڈونٹ وری سر۔۔۔! آپ کی بیوی اور بچہ اب بالکل ٹھیک ہیں۔ آپ ان سے مل سکتے ہیں۔"

لیڈی ڈاکٹر فارہ کو کمرے میں منتقل کرنے کے بعد مسکراتے ہوئے آکر آفاق کے پاس رک گئی تھیں اور آفاق ان کے منہ سے ایسی خوشی کی خبر سن کر بے اختیار آنسوؤں سے لبریز آنکھوں سمیت اسپتال کے فرش پہ ہی خدا کے حضور سجدے میں گر گیا تھا اور اس کا ایسا سجدہ شکر دیکھ کر سب کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

"مبارک ہو۔۔۔ بہت بہت مبارک ہو۔" سب نے اشتیاق یزدانی اور ثمینہ یزدانی کو مبارک باد دی تھی۔

"آفاق بھائی۔۔۔ آپ کا سپوت۔۔۔" ساشا نے آفاق کے سر اٹھاتے ہی اسے بچے کی طرف متوجہ کیا تھا۔

اور آفاق نے انتہائی محبت سے اسے بانہوں میں اٹھا کر انتہائی نرمی سے اس کے ماتھے پہ بوسا دیا تھا اور ثمینہ یزدانی کی طرف دیکھا تھا جن کی آنکھیں اتنی خوشی کے باوجود بھی اداس لگ رہی تھیں۔

کیونکہ ان کے دل میں آفاق کی بیماری کا غم سانپ کی طرح کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔

"ممی! یہ دیکھیں' یہ ہے آپ کا انیق' اللہ نے ہم کو دوبارہ سے انیق سے نواز دیا ہے۔"

آفاق نے کہتے ہوئے آگے بڑھ کے بچہ ثمینہ یزدانی کی گود میں ڈال دیا تھا اور بچے کے معصوم سے چہرے پہ نظر پڑتے ہی ثمینہ یزدانی کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

"ہم اس کا نام انیق ہی رکھیں گے۔" آفاق نے ماں کا غم دور کرنے کے لیے ان کی دلجوئی کرنے کی کوشش کی تھی۔

"نہیں! ہم اس کا کوئی اور نام رکھیں گے۔ جو اس کا اپنا نام ہوگا۔ اپنی قسمت کی طرح۔ کسی دوسرے کا نہیں۔"

ثمینہ یزدانی نے انیق کا نام رکھنے سے انکار کر دیا تھا' کیوں کروہ اب بہت وہمی ہو چکی تھیں' وہ گزری ہوئی باتوں کو گزرے ہوئے واقعات کو اور گزرے ہوئے ناموں کو دہرانا نہیں چاہتی تھیں۔

"لیکن ممی!" آفاق نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

"لیکن ویکن کچھ نہیں۔۔۔ گزرے ہوئے رشتوں کے نام دہرانے سے وہ واپس نہیں آجاتے۔" ثمینہ یزدانی کی اپنی ہی سوچ تھی اور وہ لوگ بھلا کیا کہہ سکتے تھے؟

"ٹھیک ہے۔۔۔ جیسے آپ کی مرضی۔۔۔ آپ خوش تو ہم خوش۔۔۔" آفاق نے کندھے اچکائے تھے اور سب مسکرا دیے تھے۔

"اس کا نام ہوگا' انس۔۔۔ انس یزدانی۔" ان لوگوں کے قریب ہی ماورا کی آواز ابھری تھی' ان سب نے بے ساختہ گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا۔

وہ تیمور کے پاس سے سیدھی یہاں آئی تھی' کیونکہ فارہ کے بارے میں آفاق نے ہی اسے فون پہ اطلاع دی تھی۔

"ارے واہ۔۔۔ نام تو بہت پیارا ہے۔" اشتیاق یزدانی نے بے اختیار سراہا تھا۔

"کیا خیال ہے پھر۔۔۔؟" ماورا نے آفاق کے ساتھ ساتھ باقی سب کو بھی سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

"ارے خیال کس بات کا۔۔۔ بسم اللہ کرتے ہیں' نام یہی اچھا ہے۔" بچے کے دادا کو یہ نام حقیقتاً "بہت اچھا لگا تھا۔

"تو پھر مبارک ہو آپ سب کو۔۔۔ اور انس کی والدہ محترمہ کہاں ہیں؟" ماورا نے کہتے ہوئے فارہ کا پوچھا تھا۔

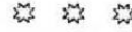
اور پھر جھک کر ثمینہ یزدانی کی گود سے بچے کو بھی اٹھا لیا تھا اور اسے پیار کرتے ہوئے دوبارہ آفاق کی طرف پلٹی

تھی۔

"فارہ سے مل سکتی ہوں کیا؟" وہ اجازت طلب کر رہی تھی۔

"ارے کیوں نہیں... لیکن وہ ابھی مکمل ہوش میں نہیں ہے... آپ خود دیکھ لیں۔"

آفاق اسے ساتھ لے کر فارہ کے پاس کمرے میں آگیا تھا۔



"تو گویا وہ لڑکی آپ سے بھی چار ہاتھ آگے نکلی۔" مونس مرزا نے حظ اٹھانے والے انداز میں کہتے ہوئے رضا حیدر کو بغور دیکھا تھا' وہ یوں نیلے پیلے ہو رہے تھے جیسے انہیں کسی بہت زہریلے سانپ نے ڈس لیا ہو۔

"لیکن اسے ہمارے پلان کی خبر ہوئی کیسے؟ آخر اس نے ان دونوں عورتوں کو راتوں رات اپنے پاس کیوں

شفٹ کرلیا' وہ بھی اچانک..." رضا حیدر سوچ سوچ کر پاگل ہو رہے تھے۔

"اسی لیے تو کہہ رہا ہوں کہ وہ آپ سے بھی چار ہاتھ آگے نکلی۔" مونس مرزا جان بوجھ کر رضا حیدر کا دل جلانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"مجھ سے چار ہاتھ آگے اس کا باپ نہیں ہو سکا تو وہ کیسے ہوگی؟" رضا حیدر دبے لہجے میں کہتے ہوئے پھنکارے تھے۔

"آپ سے چار ہاتھ آگے تو وہ ہے ہی... آپ نے اس کے باپ سے سب کچھ ہتھیا لیا اور وہ آپ سے سب کچھ ہتھیا کر لے گئی۔ یعنی وہ آپ کی بھی باپ نکلی' ہاہاہا..."

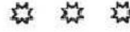
مونس مرزا نے کہتے ہوئے ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا تھا اور رضا حیدر کا دماغ جیسے پھٹنے کے قریب تھا' وہ بہ مشکل ضبط کر رہے تھے۔

مونس مرزا کی جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید وہ اس کا سر ہی پھاڑ دیتے۔

"اسے اپنی چالاکی کا اب اور زیادہ خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ وہ پچھتائے گی کہ اس نے ٹکر کس سے لی تھی؟" وہ دانت پیس کر بولے تھے۔

"اچھا... تو اب کیا پلاننگ ہے؟" اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

"نہیں... ابھی نہیں... ابھی شکار کو دم لے لینے دو۔ اب جو بھی ہوگا پورے سکون سے ہوگا۔" رضا حیدر جیسے کچھ سوچ کر خباثت سے مسکرائے تھے اور مونس مرزا ان کے ذہن میں چلنے والے منصوبے سے بے خبر الجھن میں پڑ گیا تھا۔



دو ماہ اور دس دن بعد...

زندگی بے حد منتشر تھی۔ لیکن پھر بھی ایک معمول پہ چل رہی تھی۔

ماورا اپنا کاروبار پوری طرح سے سنبھال چکی تھی۔ جبکہ تیمور بھی اپنا الگ سے کاروبار سیٹ کرنے کی کوشش میں تھا۔

دونوں الگ الگ ڈگر پہ چل رہے تھے، لیکن دونوں کے دل و دماغ ایک ہی ڈوری سے بندھے ہوئے تھے اور دونوں ایک ہی طرح کی سوچوں کے دائرے میں چکراتے رہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ دونوں کے دماغ پر ہمہ وقت عجیب طرح کا بوجھ رہتا تھا۔

ماورا صبح آفس کے لیے گھر سے نکلتی تھی اور رات گئے تک آفس کے کاموں میں ہی الجھی رہتی تھی۔ آج بھی صبح سویرے ایسا ہی ہوا تھا، وہ آفس کے لیے لیٹ ہو رہی تھی کیونکہ آج اس کی ایک اہم میٹنگ تھی، اس لیے وہ بڑی عجلت میں تیار ہو کر سیڑھیاں اتر رہی تھی۔ جب اچانک اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا تھا اور بڑے زور سے چکر آیا تھا۔

"ارے بیٹا سنبھل کے..." نیچے کھڑی بی گل اس کو لڑکھڑاتے دیکھ کر گھبرا گئی تھیں۔

ماورا نے بے ساختہ سیڑھیوں کی ریلنگ کا سہارا لیا تھا۔

"کیا ہوا ہے؟ تم ٹھیک تو ہو؟" بی گل جیسے تیسے سیڑھیاں طے کرتی اوپر آگئی تھیں۔

"جی میں ٹھیک ہوں... بس جلدی میں چلتے ہوئے چکر آگیا۔" ماورا ذرا سنبھلتے ہی دوبارہ سے سیڑھیاں اترنے لگی تھی۔

"ارے جا کہاں رہی ہو؟ ناشتا تو کرلو۔" بی گل نے اسے کوریڈور کی طرف بڑھتے دیکھ کر پیچھے سے آواز دی تھی۔

"نہیں بی گل... ناشتے کے لیے ٹائم نہیں ہے۔ لیٹ ہو چکی ہوں۔ دس بجے میٹنگ ہے۔ میٹنگ کے بعد کچھ کھالوں گی، ڈونٹ وری۔" وہ کہہ کر عجلت سے مرکزی دروازہ عبور کر گئی تھی اور بی گل وہیں کھڑی اسے دیکھتی رہ گئی تھیں۔

"کیا ہوا... آپ یہاں کیوں کھڑی ہیں؟ کیا سوچ رہی ہیں؟" عافیہ بیگم ڈائننگ روم سے نکل کر ان کے پاس آرکی تھیں۔

"سوچ رہی ہوں کہ ہماری ماورا کی شادی کو کتنے دن ہوئے ہیں؟" بی گل پر سوچ سے لہجے میں کہتے ہوئے

ڈرائنگ روم کی طرف بڑھی تھیں۔

"ارے بی گل۔۔۔ اس کی شادی کو دن نہیں ' بلکہ تین مہینے ہونے کو ہیں۔" عافیہ بیگم لاپروائی سے بولی تھیں۔

"اور تم نے ایک ماں ہو کر بھی یہ غور نہیں کیا کہ بیٹی کی طبیعت بدل رہی ہے۔ چلتے چلتے چکرا رہی ہے۔" بی گل نے ایک مبہم سا اشارہ دیا تھا اور عافیہ بیگم ٹھٹک گئی تھیں۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟"

"مطلب کو چھوڑو۔۔۔ وہ گھر آتی ہے تو اسے چیک اپ کے لیے ڈاکٹر کے پاس لے جاؤ۔۔۔ سب خود ہی پتا چل جائے گا۔" بی گل کے اشاروں نے عافیہ بیگم کے دماغ میں بھی گھنٹی بجادی تھی۔

"ارے سچ۔۔۔" ان کو خوشی ہوئی تھی۔

"ان شاء اللہ امید تو یہ ہی ہے۔" بی گل نے دل کی گہرائیوں سے کہا تھا اور دونوں مسکرائی تھیں۔



بہت دن ہوئے تھے تیمور نے ایک گھر لیا تھا اور وہ رضا حیدر' رابعہ بیگم اور عزت کو اپنے پاس لے آیا تھا اور عزت اس قید خانے سے نکل کر خوش بھی تھی اور آزاد بھی۔۔۔ لیکن ولید کی طرف سے ٹینشن میں بھی تھی' وہ اتنا عرصہ بات نہ ہونے پہ ناراض تھا۔ نہ فون ریسیو کر رہا تھا' نہ ایس ایم ایس کا جواب دے رہا تھا۔

اس لیے آج صبح صبح عزت تیمور کے پاس جا پہنچی تھی۔

"خیریت؟ کہیں جانا ہے کیا؟" وہ آفس کے لیے نکل رہا تھا' عزت کو دیکھ کر رک گیا۔

"جی! وہ ولید کی امی کی طبیعت نہیں ٹھیک۔۔۔ مجھے ملنے کا کہہ رہی تھیں۔ اس لیے سوچا کہ ان سے مل آؤں۔۔۔" عزت نے ولید کے گھر جانے کے لیے بڑے دھڑلے سے بہانا گھڑا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔۔۔ میں ڈراپ کر دیتا ہوں' آجاؤ' لیٹ ہو رہا ہوں۔" وہ کہہ کر باہر نکل گیا تھا اور عزت بڑی شرارت سے مسکراتی ہوئی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی تھی۔

"بھابھی سے ملاقات ہوئی؟" گاڑی سڑک پہ آتے ہی عزت نے چھیڑنے کے سے انداز میں سوال کیا تھا۔

"کس کی بھابھی۔۔۔" وہ انجان بنتے ہوئے بولا۔

"ارے بھئی ظاہر ہے میری بھابھی۔۔۔ ایک ہی تو بھائی ہے میرا۔۔۔ اور ایک ہی بھابھی ہے۔۔۔ اور کس کی بات ہوگی بھلا؟" عزت بے حد خفگی سے بولی تھی۔

"مجھے کسی کی خبر نہیں۔۔۔ کون کیسا ہے؟ کہاں ہے؟ میری بلا سے۔۔۔ آئی ڈونٹ کیئر۔۔۔" اس نے کندھے اچکائے تھے۔

"آئی ڈونٹ کیئر کہہ دینے سے تعلق اور احساس ختم نہیں ہو جاتا' بلکہ اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ اندر بہت کچھ ہے' جو آپ چھپا رہے ہیں۔" عزت نے اسے خاصا گہرا جواب دیا تھا۔

اور تیمور نے سر جھٹکتے ہوئے گاڑی کو بریک لگا دیا تھا۔ عزت کا مطلوبہ اسٹاپ آچکا تھا۔

"اتنے بے زار کیوں ہو رہے ہیں؟" عزت نے اسے پھر سے چھیڑا تھا۔

"عزت۔۔۔" تیمور نے اسے خفگی سے گھورا۔

"ہاہاہا! مجھے لگتا ہے آج آپ بھابھی کو زیادہ مس کر رہے ہیں اور آج آپ کی بھابھی سے ملاقات بھی ضرور ہوگی' دیکھ لیجیے گا۔" وہ کھلکھلاتی ہوئی کہہ کر گاڑی سے اتر گئی تھی اور تیمور خراب موڈ کے ساتھ گاڑی آگے بڑھا لے گیا تھا۔

وحید کالج اور کٹو اسکول کے لیے جاچکے تھے۔

زبیدہ خاتون محلے میں کسی کی عیادت کے لیے جارہی تھیں، جب دروازے میں ہی عزت سے سامنا ہو گیا تھا۔

"ارے بیٹا، یہاں صبح صبح۔۔۔؟" وہ اسے گلے لگا کر ملتے ہوئے بولیں۔

"جی۔۔۔ لیکن آپ تو شاید کہیں جارہی ہیں اور ولید بھی گھر پہ نہیں؟؟"

عزت ان کے ہاتھ میں پکڑا تالا اور چابیوں کا گچھا دیکھ چکی تھی۔

"ارے نہیں بیٹا! پریشان ہونے کی بات نہیں ہے۔ میں یہاں قریب میں ہی جارہی ہوں، آجاتی ہوں تھوڑی دیر میں۔۔۔ تم یہ چابیاں اور تالا پکڑو اور اندر جاؤ۔۔۔ ولید اندر ہی ہے۔۔۔ صبح چار بجے آیا ہے کام سے۔۔۔ سو رہا ہے، جگالو جا کر۔"

انہوں نے مسکراتے ہوئے کہہ کر چابیاں اور تالا عزت کے ہاتھ پر رکھ دیا تھا اور خود گلی کے بائیں طرف مڑ گئی تھیں اور عزت گلی میں کھڑی کبھی تالے کو اور کبھی دروازے کو دیکھ رہی تھی اور بالآخر ولید کی موجودگی کا خیال آتے ہی وہ دروازہ دھکیل کر اندر آگئی تھی۔

دونوں کمروں کے دروازے بند تھے۔ کچن بھی بند تھا جس کی وجہ سے پورا گھر خالی خالی لگ رہا تھا۔ عزت کو عجیب تو لگا، لیکن پھر ایک خیال اس کے ذہن میں کوندے کی طرح لپکا تھا۔

(یہ گھر اجنبی اور پرایا نہیں۔۔۔ بلکہ یہ گھر میرا اپنا ہے۔۔۔ میں اپنے ہی گھر سے گھبرا رہی ہوں؟)

یہ خیال اس کی گھبراہٹ اڑا لے گیا تھا اور اس کی چال میں اک استحقاق سا بھر گیا تھا اور وہ اسی استحقاق سے چلتی ولید کے کمرے کا دروازہ کھول کے اندر آگئی تھی۔

ولید اتنی ٹھنڈ کے باوجود ——— بنیان پہنے بستر پہ اوندھا لیٹا بے سدھ سو رہا تھا۔

"اوہ۔۔۔ تو موصوف نے ابھی ناشتا کرنا ہے، تیار ہونا ہے اور کام پہ بھی جانا ہے؟" وہ دلچسپی سے اسے دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

"تو تب تک میں کیا کروں؟" اس نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر ذہن میں اک شرارت آن سمائی تھی۔ اس نے بڑی سہولت سے اپنے بیگ سے سیل فون نکالا اور کیمرہ آن کر لیا تھا۔

جتنا بے ترتیب وہ خود ہو رہا تھا اتنا ہی بے ترتیب اس کا بستر بھی تھا۔ کمبل آدھا اس کی پشت پہ تھا اور آدھا بستر سے نیچے۔۔۔ پاؤں کمبل سے باہر تھے۔ عزت اس کی نیند میں اس کا حلیہ دیکھ کر دبے دبے انداز میں مسکرا رہی تھی اور ساتھ ساتھ اس کی ویڈیو بھی بنا رہی تھی۔

پھر ویڈیو کے بعد اس نے تصویریں بنائیں اور کیمرے کی آواز سے ولید کی نیند میں خلل پڑا تھا۔ ایک کے بعد ایک۔۔۔ یک دم ولید کی آنکھ کھل گئی تھی، اس نے فوراً ہڑبڑا کر دیکھا تھا۔

"عزت۔۔۔!" وہ تو جیسے حق دق رہ گیا تھا اور عزت کی ایک دم ہنسی چھوٹ گئی تھی۔ وہ ہنستے ہنستے بھی اس کی تصویریں بنائے جارہی تھی۔

"بند کرو اسے۔" وہ اونچی آواز سے چیخا۔

"نہیں۔۔۔" وہ نہیں مانی۔

"چھوڑوں گا نہیں۔۔۔ خیر منالو اپنی۔۔۔" بالآخر وہ کمبل پرے ہٹا کر چھلانگ لگا کر نیچے اترا اور کیمرے سمیت عزت کو اپنے حصار میں لے لیا تھا، لیکن وہ پھر بھی کھلکھلائے جارہی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)